© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان

(۳)

حضرت اسماعیلؑ کی رسالت اور عرب میں اس کے اثرات

اغلب یہ ہے کہ جس وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے خانہ کعبہ تعمیر کیا اور اس گھر کو مرکز و مرجع قرار دے کر ہر سال اس کی طرف حج کرنے کا اذن عام لوگوں کو دیا، وہی وقت تھا جب حضرت اسماعیلؑ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت کے منصب پر سرفراز فرمایا تاکہ وہ عرب میں دین اسلام کی تبلیغ کا فریضہ انجام دیں۔ قرآن مجید میں ان کے متعلق فرمایا گیا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ	اور اس کتاب میں اسماعیل کا ذکر کر۔ وہ
صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا۔	وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا۔ وہ اپنے گھر والوں
وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَوٰةِ وَالزَّكَوٰةِ وَكَانَ	کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے
عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ (مریم-۵۴-۵۵)	نزدیک پسندیدہ تھا۔

اگرچہ تاریخ میں حضرت اسماعیلؑ کی زندگی کے حالات اور ان کی رسالت کے کام کی کچھ تفصیلات نہیں ملتیں، لیکن اُن کی رسالت کے کامیاب ہونے کا واضح ثبوت یہ ہے کہ خانۂ کعبہ کو تمام عرب میں مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حج اور عمرے کے لیے عرب کے تمام اطراف و نواحی سے لوگ کھنچ کھنچ کر آتے رہے۔ مناسک حج تقریباً وہی رہے جو ابتدا میں مقرر کیے گئے تھے۔ صفا اور مروہ کی سعی اور ۱۰ ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کا طریقہ بھی عربوں میں رائج رہا جو بلاشبہ حضرت ہاجرہ کی سعی اور حضرت ابراہیم کی قربانی ہی کی یادگار تھا۔ حج اور عمرے کی خاطر چار مہینوں کی حرمت بھی تمام اہل عرب میں مسلّم رہی، اور دین ابراہیمی کے دوسرے بہت سے شعائر بھی عربوں میں مروّج رہے، مثلاً ختنہ، غسل جنابت، جانوروں کو ذبح کرنے اور اونٹوں کو نحر کرنے کا طریقہ، مُردوں کو دفن کرنا، نکاح اور طلاق اور احداد (بیوہ کے سوگ) کے قاعدے، بیٹیوں، ماؤں اور بہنوں کو حرام سمجھنا، قصاص اور دیت اور قسامت کے احکام وغیرہ۔ اس کے علاوہ بعض حکمائے عرب وضو بھی کرتے تھے۔ بعض نماز بھی پڑھتے تھے جیسے قُس بن ساعدۃ الایادی۔ حضرت ابوذرؓ بھی اسلام قبول کرنے سے تین سال پہلے ہی نماز پڑھنے لگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے، اگرچہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی نماز تھی۔ اس کے علاوہ عربوں میں روزہ کا بھی ایک طریقہ رائج تھا۔ وہ اعتکاف بھی کرتے تھے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جاہلیت میں ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی۔ بہت سی چیزوں کو اہل عرب نیکی کے کام سمجھتے اور ان کی مدح کرتے تھے، مثلاً مہمان اور مسافر کی ضیافت، مساکین کی مدد کرنا اور صلۂ رحمی کرنا۔ اگر حضرت اسماعیلؑ کی رسالت کو عرب میں غیر معمولی کامیابی حاصل نہ ہوئی ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ڈھائی ہزار برس تک جاہلیت کی تاریکی میں ڈوبے رہنے کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت تک اُس دین کے آثار باقی اور تمام عرب میں جاری و ساری رہتے۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اُن کی اور اُن سے متأثر ہونے والوں کی تبلیغ ہی کا یہ اثر تھا کہ اہل عرب میں حضورؐ کی بعثت کے زمانے تک اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ تصورات پائے جاتے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ کیا گیا ہے (مثال کے طور پر ملاحظہ ہو سورۂ زُخرُف، آیت ۸۷۔ سورۂ عنکبوت، آیات ۶۱ تا ۶۳۔ سورۂ مومنون، آیات ۸۴ تا ۸۹۔ سورۂ یونس، آیات ۲۲۔۲۳ و ۳۱۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت ۶۷)۔

اور یہ بھی رسالتِ اسماعیلی کا اثر ہی تھا کہ بعثت محمدی کے وقت تک عرب میں ایسے لوگوں کا ایک گروہ موجود رہا جنہیں تاریخ میں حُنفاء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عرب کے مختلف قبائل میں جگہ جگہ پائے جاتے تھے، شرک سے انکار اور توحید کا اقرار کرتے تھے اور دینِ ابراہیمی کی پیروی کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے تفہیم القرآن، جلد چہارم میں صفحہ ۳۷ پر ان لوگوں کی فہرست درج کی ہے۔ ذیل میں ہم ان میں سے بعض کے حالات لکھتے ہیں:

النابغۃ الجعدی۔ یہ بنی عامر بن صَعصَعہ میں سے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں دینِ ابراہیمی اور حنیفیت کا ذکر کیا کرتے تھے۔ روزے رکھتے اور استغفار کرتے تھے۔ ان کے زمانۂ جاہلیت کے کلام میں توحید اور حیات بعدِ موت اور جزا و سزا اور جنت و دوزخ کا ذکر ملتا ہے۔ بعد میں انہوں نے اسلام قبول کیا (الاستیعاب ج ۱، ص ۳۱۰)۔

صِرمہ بن اَنَس۔ یہ بنی عَدِی بن نجّار میں سے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں درویشی اختیار کر لی تھی۔ بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ غسل جنابت کرتے اور حائضہ سے پرہیز کرتے تھے۔ شراب اور ہر نشہ آور چیز کو ناپسند کرتے تھے۔ پہلے عیسائی ہونے کا ارادہ کیا، پھر رک گئے اور ایک مسجد سی بنائی جس میں کسی جُنبی یا حائضہ کو نہیں آنے دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ میں ربِ ابراہیم کی عبادت کرتا ہوں اور دینِ ابراہیمی کا پیرو ہوں۔ ان کا ایک شعر یہ ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الحمد للہ ربی لا شریک لہ

من لم یقلہا فنفسہ ظلما

"تعریف میرے رب اللہ کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ جو شخص اس کا قائل نہیں ہے وہ اپنے نفس پر آپ ظلم کرتا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ انہوں نے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا (الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۲۳۔ الاصابہ، ج ۲، ص ۱۷۹۔ ابن ہشام، ج ۲، ص ۱۵۶)۔

عَمرو بن عَبَسہ۔ یہ بنی سُلیم میں سے تھے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے انہوں نے بتوں کی پرستش چھوڑ دی تھی۔ امام احمد نے ان کا اپنا قول نقل کیا ہے کہ میں جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کو گمراہی پر سمجھتا تھا اور بتوں کے متعلق میرا خیال تھا کہ یہ کچھ نہیں ہیں۔ ان کا ایک اور قول یہ نقل کیا گیا ہے کہ میرے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ بتوں کی پرستش باطل ہے۔ ایک شخص نے میری یہ باتیں سنیں تو کہا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو ایسی ہی باتیں کہتا ہے۔ چنانچہ میں مکہ آیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر آپ کی تعلیمات دریافت کیں اور آپ کی رسالت پر ایمان لے آیا (الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۳۱)۔

سب سے زیادہ سبق آموز قصہ زید بن عَمرو بن نُفَیل کا ہے جو حضرت عمرؓ کے چچا زاد بھائی اور حضرت سعیدؓ بن زید (حضرت عمرؓ کے بہنوئی اور یکے از عشرۂ مبشرہ) کے والد تھے۔ یہ توحید کے عقیدے میں بہت سخت تھے۔ بت پرستی، اور مردار اور خون اور بتوں پر کی ہوئی قربانی کو حرام سمجھتے تھے۔ بیٹیوں کے قتل کو بہت بُرا جانتے تھے اور ان کو بچانے کی کوشش کرتے تھے۔ یہودیت اور نصرانیت کو بھی انہوں نے رد کر دیا تھا اور کہتے تھے کہ ہماری قوم کے شرک اور ان کے شرک میں آخر فرق ہی کیا ہے۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر کا بیان ہے کہ "میں نے زید بن عَمرو کو دیکھا کہ وہ کعبہ کی دیوار کے سہارے بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قریش کے لوگو، خدا کی قسم میں کسی ایسے جانور کا گوشت نہیں کھاؤں گا جو اللہ کے سوا کسی کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔ خدا کی قسم دین ابراہیم پر میرے سوا کوئی نہیں ہے" وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ "خدایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تیری عبادت کا کونسا طریقہ تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے تو میں اُسی طرح تیری عبادت کرتا"۔ پھر وہ اپنی ہتھیلی پر سر رکھ کر سجدہ کرتے۔ انہوں نے دین ابراہیمی کی تلاش میں شام کا سفر کیا مگر وہ نہ یہود میں ملا اور نہ نصاریٰ میں۔ اِس پر انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر کہا "خدایا میں تجھے گواہ کرتا ہوں کہ میں دین ابراہیم پر ہوں"۔ آخر کار بلادِ لخم میں حضورؐ کی بعثت سے پانچ سال پہلے کسی نے ان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قتل کردیا۔ ان کا چچا خطاب ان کو دینِ آبائی سے پھر جانے پر سخت تنگ کرتا تھا حتیٰ کہ اس نے انہیں مکہ سے نکل جانے پر مجبور کردیا اور قریش کے سفہاء کو ان کے پیچھے لگادیا کہ اسے شہر میں نہ گھسنے دو۔ زمانۂ اسلام میں حضرت عمرؓ اور حضرت سعیدؓ بن زید نے حضورؐ سے عرض کیا کہ زید کے خیالات آپ کو معلوم ہیں، کیا ہم ان کے لیے دعائے مغفرت کریں۔ آپؐ نے فرمایا "ہاں، قیامت کے روز وہ تنہا ایک امت کی حیثیت سے اٹھیں گے" (الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۳۹۔ الاصابہ، ج ۱، ص ۵۵۲۔ ابن ہشام، ج ۱، ص ۲۳۹ - ۲۴۰)۔

تاہم عام اہلِ عرب جس شرک میں مبتلا تھے اس کی نوعیت اُن کے اُس تلبیہ سے معلوم ہوتی ہے جو وہ حج کے موقع پر کرتے تھے۔ اُن کا تلبیہ یہ تھا:

لبیک اللّٰھم لبیک، لبیک لاشریک
لک الا شریکاً ھو لک، تملکہ
وما ملک

میں حاضر ہوں میرے اللہ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں، کوئی تیرا شریک نہیں سوائے اُس شریک کے جو تیرا ہی ہے، تو اُس کا بھی مالک ہے اور ہر اُس چیز کا بھی مالک جس کا وہ مالک ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے بتوں سے مفروضہ خداؤں کو معبود ماننے کے باوجود ایک ربِ اعلیٰ کی حیثیت سے اللہ کو مانتے بھی تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کے تمام معبود اُس بزرگ و برتر ہستی کے بندے اور مملوک ہیں۔ اِس کو رسالتِ اسماعیلی کے اثرات کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ انتہائی جاہلیت اور بدترین شرک میں ڈوب کر بھی اللہ کے بارے میں اُن کے اندر یہ عقیدہ موجود تھا۔

حضرت اسماعیلؑ کے بعد خانہ کعبہ کی تولیت کا انتظام

حضرت اسماعیلؑ جب تک زندہ رہے، خانۂ کعبہ کی تولیت انہی کے ہاتھ میں رہی اور ان کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت متولی ہوئے۔ لیکن نابت کی وفات کے بعد جُرہُم کے لوگ، جو مکہ میں حضرت ہاجرہ کے وقت سے بسے ہوئے تھے، اِس گھر کی تولیت پر قابض ہوگئے اور صدیوں تک قابض رہے۔ اِن لوگوں میں رفتہ رفتہ اتنا بگاڑ پیدا ہوگیا کہ انہوں نے مکہ کی حرمت کو پامال کرنا شروع کردیا۔ کعبہ میں جو مال ہدیۃً دیا جاتا تھا اسے ناجائز طور پر کھانے لگے۔ زیارت کے لیے آنے والوں کو ستانے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کو زنا کے لیے کوئی جگہ نہ ملتی تو وہ خانۂ کعبہ میں جاکر یہ گناہ کرتا تھا۔ اِسی زمانے کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص اساف نے ایک عورت نائلہ کے ساتھ کعبہ میں یہ فعل حرام کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مسخ کردیا۔ کچھ مدت تک تو یہ واقعہ نشانِ عبرت بنا رہا۔ مگر ایک مدت بعد ان دونوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بت بنا کر ایک کو صفا پر اور دوسرے کو مروہ پر رکھ کر ان کی عبادت کی جانے لگی۔ یہ اُس تنزّل کی انتہا تھی جس میں خانۂ کعبہ کے یہ متولی مبتلا ہو گئے تھے۔

آخر کار جب جُرہمیوں کی زیادتیاں حد سے بڑھ گئیں تو بنی کنانہ میں سے بنی بکر بن عبد مَناۃ اور بنی خُزاعہ میں سے غُبشان نے مل کر اُن سے جنگ کی اور اُن کو مکہ سے نکال دیا۔ چلتے ہوئے یہ لوگ زمزم کو بند کر کے اُس کا نشان تک مٹا گئے اور اپنے اصل وطن، یمن کا راستہ لیا۔ اُن کے بعد کعبہ کی تولیت بنی خُزاعہ کی اُس شاخ کے قبضے میں آگئی جو غُبشان کے نام سے موسوم ہے۔ تین چار سو برس تک وہی اس مقدس گھر کے متولی رہے اور انہی کے زمانہ میں خانہ کعبہ ایک پورا بت خانہ بن گیا۔ اس کی ابتدا اِس طرح ہوئی کہ اس قبیلے کا سردار عَمرو بن لُحَی ایک مرتبہ شام گیا اور وہاں اُس نے لوگوں کو بتوں کی پرستش کرتے دیکھا اسے یہ چیز بہت پسند آئی، وہاں سے ہُبَل نامی ایک بت لے آیا اور کعبہ میں اسے نصب کر دیا۔ رفتہ رفتہ اس پر مزید بتوں کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔ انہی میں حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ اور حضرت مریمؑ کے بت بھی شامل تھے۔ حضرت مریم کا بُت غالباً اس لیے رکھا گیا تھا کہ عیسائی عرب بھی کعبہ کی طرف رجوع کریں۔ بخاری، کتاب الانبیاء میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت مریمؑ کی تصویریں بھی تھیں۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی صورت اِس شکل میں تھی کہ دونوں کے ہاتھوں میں اَزلام (پانسے) تھے۔

کعبہ کی تولیت پر خُزاعہ کا قبضہ اُس وقت ختم ہوا جب قریش میں سے قُصَیّ بن کلاب نے اُسے اپنے خُزاعی خُسر سے حاصل کیا، جیسا کہ آگے چل کر ہم بیان کریں گے۔

اولاد اسماعیل علیہ السلام عرب کے علماء انساب اور بائیبل کا متفقہ بیان یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ مگر جب مکہ پر جُرہمیوں کا قبضہ ہو گیا تو اولادِ اسماعیل کا بہت تھوڑا حصہ اس شہر میں بسا رہ گیا، باقی سب عرب کے مختلف حصوں میں منتشر ہو گئے۔ تاریخ اس باب میں خاموش ہے کہ اِن بارہ بیٹوں کی اولاد کہاں کہاں گئی اور کون کون سے قبائل ان کی نسل سے پیدا ہوئے۔ البتہ عرب کے علم الانساب میں جو چیز محفوظ اور معتبر ہے اور جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے وہ یہ ہے کہ عدنان حضرت اسماعیلؑ کے بڑے بیٹے نابت کی اولاد میں سے تھا۔ عدنان سے پہلے حضرت اسماعیلؑ تک کتنی پشتیں گزریں، اس میں سخت اختلاف ہے، اور عدنان سے اوپر کا کوئی شجرۂ نسب محفوظ نہیں ہے۔ عُروہ بن زُبیر کا قول ہے کہ ہمیں کوئی ایسا آدمی نہیں ملا جو عدنان اور حضرت اسماعیلؑ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے درمیان کا نسب نامہ جانتا ہو ۔ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ، دونوں کہتے ہیں کہ عدنان سے اوپر کا نسب نامہ جو لوگ بیان کرتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ نسب نامہ صرف عدنان تک بیان کرنا چاہیے طبقات ابن سعد میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ منقول ہے کہ آپ مَعَد بن عدنان بن اُدَد تک نسب بیان کرنے کے بعد فرماتے کذب النسابون "آگے کا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں"۔ لیکن اوپر کا شجرۂ نسب محفوظ نہ ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ عدنان کا اولادِ اسماعیل میں سے ہونا کسی درجہ میں بھی مشکوک ہے۔ تمام اہل عرب اس بات پر متفق تھے کہ عدنان بنی اسماعیل میں سے تھا، اور اہل عرب کا اس پر بالکل متفق ہونا اس کے صحیح ہونے کا ناقابل انکار ثبوت ہے، کیونکہ عرب کے لوگ نسب کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور ان کے لیے کسی کے نسب پر متفق ہو جانا اُس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک اُن کے ہاں نسلاً بعد نسلٍ اس کے بارے میں متواتر روایات موجود نہ ہوں۔

رسول اکرمؐ کا نسب نامہ اور قبائل عرب سے آپ کا رشتہ عدنان کے بعد تمام اُن قبائلِ عرب کا نسب نامہ محفوظ ہے جو اولادِ عدنان میں سے ہیں اور اس میں علمائے انساب کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم یہاں پہلے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بتائیں گے کہ کس کس پُشت پر عرب کے کون کون سے قبائل آپ کے ساتھ نسب میں شریک ہو جاتے ہیں۔ حضورؐ کا شجرۂ نسب یہ ہے:

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، بن عبد اللہ، بن عبد المطلب، بن ہاشم، بن عبدِ مناف، بن قُصَیّ، بن کِلاب، بن مُرّہ، بن کعب، بن لُؤیّ، بن غالب، بن فِہر، بن مالک، بن النضر، بن کِنانہ، بن خُزَیمہ، بن مُدرِکہ، بن اِلیاس، بن مُضَر، بن نِزار، بن مَعَدّ، بن عدنان۔

اِس سلسلۂ نسب میں ہر پُشت کے جدِّ اعلیٰ پر عرب کے حسب ذیل قبائل حضورؐ کے ہم نسب ہوتے چلے جاتے ہیں۔

عدنان پر اس کے دوسرے بیٹے عَک کی اولاد جو یمن جا کر بس گئی اور اشعریوں میں (جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا قبیلہ تھا) اُس کے شادی بیاہ کے تعلقات قائم ہو گئے۔

مَعَدّ پر بنی قُضاعہ اور بنی ایاد۔

نِزار پر بنی اَنمار (خَثعم اور بَجیلہ)، تمام قبائل ربیعہ (جن میں بنی بکر بن وائل، تَغلِب اور حَنیفہ وغیرہ شامل ہیں)، بنی عبدالقیس، عَنَزہ اور نَمِر بن قاسط۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُضَر پر تمام قبائلِ قَیس (سُلَیم، مازِن، فزارہ، عَبس، اَشجع، مُرّہ، ذُبیان، غطفان، عُقَیل، قُشَیر، جُشَم، ثَقیف، باہلہ، بنی سعد بن بکر اور تمام بنی ہوازِن وغیرہ) حضورؐ کی رضاعی والدہ حلیمہ بنی سعد بن بکر میں سے تھیں۔

اَلیاس پر بنی تمیم، بنی ضَبَّہ، مُزَینہ، خُزاعہ، اَسلم، عُکل، تَیم وغیرہ۔

مُدرِکہ پر ہُذَیل۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اسی قبیلے سے تھے۔

خُزَیمہ پر بنی اَسد، قارہ اور تمام بنی الہُون بن خُزَیمہ۔

کِنانہ پر بنی عبدِ مَناۃ (جن میں بنی بکر اور بنی ضَمرہ شامل ہیں)، بنی مالک، بنی مَلکان یا مِلکان اور بنی حُدال وغیرہ۔ بنی فِراس اور بنی فُقَیم بھی اولادِ کِنانہ میں سے ہیں۔ حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ غِفار بنی ملکان میں سے تھا۔

قریش | علمائے انساب کا ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ النَّضر بن کِنانہ ہی کا لقب قریش تھا۔ لیکن محققین کہتے ہیں کہ قریش دراصل النّضر کے پوتے اور مالک بن النّضر کے بیٹے فِہر کا لقب تھا۔ جو لوگ اُس کی اولاد ہیں وہ قریش میں شامل ہیں اور جو اس کی اولاد نہیں ہیں وہ قریش میں سے نہیں ہیں[1]۔

اب حضورؐ کے نسب نامہ کی طرف پھر رجوع کیجیے اور دیکھیے کہ قریش کے کون کون سے خاندان کس پُشت میں حضورؐ کے ساتھ نسب میں شریک ہوتے ہیں۔

فِہر پر بنی مُحارِب، اور بنی الحارِث۔ حضرت ابو عبیدہؓ بن الجرّاح بنی الحارث کی ایک شاخ سے تھے۔

---

[1] قریش کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک معنی پراگندہ ہونے کے بعد جمع ہونے کے ہیں۔ مگر اس معنی کے لحاظ سے قُریش قُصَیّ بن کِلاب ہی کا لقب ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُسی کے زمانے میں قریش کے تمام خاندان مکہ میں جمع ہوئے۔ دوسرے معنی کسب و تجارت کے ہیں جو قریش کا پیشہ تھا۔ تیسرے معنی تفتیش کے ہیں۔ اس لحاظ سے قریش نَضر بن کِنانہ کا لقب قرار پاتا ہے، کیونکہ اُس کے متعلق عرب کی روایات میں یہ منقول ہے کہ وہ حاجتمند لوگوں کی حاجات کا تجسُّس کرتا تھا اور اُن کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک اور معنی یہ ہیں کہ قریش سمندر کے ایک بڑے جانور کا نام ہے جو ہر چیز کو کھا جاتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قریش بن بدر بنی نضر بن کنانہ میں سے ایک شخص تھا جو اپنے قبیلے کے قافلوں کے لیے بدرقے اور رسد رسانی کا انتظام کرتا تھا۔ اس لیے عرب اِس قبیلے کے قافلہ کو دیکھ کر کہتے تھے کہ قریش کا قافلہ آگیا۔ یہ مختلف اقوال ہیں۔ مگر تحقیق یہی ہے کہ قریش بنی فِہر کا لقب ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غالب بن فہر پر بنی تیم الادرم۔

لؤی بن غالب پہ بنی عامر۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے فاطمہ بنت زائدہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھیں۔ اسی خاندان کی ایک دوسری شاخ سے سہیلؓ بن عمرو تھے جنھوں نے کفر کی حالت میں صلح حدیبیہ کی شرائط طے کی تھیں اور اپنے بیٹے ابوجندل پر سخت ظلم ڈھاتے تھے۔ پھر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا اور حضورؐ کی وفات کے بعد جب مکہ میں ارتداد کا میلان ابھرنے لگا تو یہی اُس کو رد کرنے کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔ اسی خاندان کی ایک اور شاخ سے ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

کعب بن لؤی پہ بنی عدی، بنی جمح، اور بنی سہم۔ حضرت عمرؓ بنی عدی کے ایک خاندان سے تھے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون بنی جمح میں سے تھے۔ اور حضرت عمروؓ بن عاص کا تعلق بنو سہم کے ایک خاندان سے تھا۔

مرہ بن کعب پہ بنی تیم اور بنی مخزوم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بنی تیم میں سے تھے۔ حضرت طلحہؓ بھی اسی خاندان سے تھے۔ ام المومنین حضرت امّ سلمہؓ اور ان کے پہلے شوہر حضرت ابو سلمہؓ بنی مخزوم میں سے تھے اور اسی خاندان کا ایک فرد ابوجہل تھا۔ حضرت عمر کی ماں حنتمہ بنت ہشام بھی اسی خاندان سے تھی اور اس رشتے سے ابوجہل بن ہشام اُن کا ماموں ہوتا تھا۔ حضرت ارقمؓ، جن کا دارِ ارقم حضورؐ کی دعوتِ رسالت کے دور میں بڑی اہمیت رکھتا تھا، وہ بھی مخزومی تھے۔ اسی خاندان کی ایک شاخ سے حضرت خالدؓ بن ولید تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی دادی فاطمہ بنت عمرو بھی مخزومیہ تھیں جن سے حضورؐ کے والد اور آپ کے چچا ابوطالب اور زبیر پیدا ہوئے۔

کلاب بن مرہ پہ بنی زہرہ۔ حضورؐ کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ، حضرت سعدؓ بن ابی وقاص، اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بنی زہرہ ہی میں سے تھے۔ حضرت حمزہؓ کی والدہ ہالہ بنت اُہیب بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور وہ حضورؐ کی والدہ بی بی آمنہ کی چچازاد بہن تھیں۔

قصی بن کلاب پہ بنی عبدالعزیٰ اور بنی عبدالدار۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، ورقہ بن نوفل اور حضرت حکیمؓ بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) سب بنی عبدالعزیٰ ہی میں سے تھے۔ حضورؐ کی نانی برّہ بنی عبدالدار ہی میں سے تھیں اور اسی خاندان کی ایک شاخ سے حضرت مصعبؓ بن عمیر کا تعلق تھا۔

عبد مناف بن قصی پہ بنی المطلب، بنی عبد شمس اور بنی نوفل۔ تمام بنی اُمیہ عبد شمس کی اولاد تھے۔ اس خاندان کی ایک شاخ سے مشہور دشمن اسلام عقبہ بن ابی معیط تھا، دوسری شاخ سے ام جمیل (ابولہب کی بیوی حمالۃ الحطب)، ابوسفیان اور اُن کی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ تھیں، تیسری شاخ سے امیر المومنین حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمان بن عفانؓ تھے، اور چوتھی شاخ سے مروان کا باپ حکم۔ عبد شمس کی اولاد ہی میں سے مشہور دشمن اسلام عُتبہ اور شَیبہ بھی تھے۔ عُتبہ کی بیٹی ہندہ (ابوسفیان کی بیوی) اور بیٹے حضرت ابو حُذیفہؓ تھے۔ شَیبہ فتح مکہ کے وقت تک کلید بردار کعبہ تھا اور فتح مکہ کے بعد اُسی کو آپؐ نے اس منصب پر برقرار رکھا، حتیٰ کہ آج تک کلید برداری کعبہ اُسی کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔ بنی نوفل میں سے حضرت جُبیرؓ بن مُطعم تھے۔ اور بنی المُطّلب وہ خاندان تھا جس نے زمانۂ رسالت سے پہلے بھی ہر تنگی و ترشی میں بنی ہاشم کا ساتھ دیا اور زمانۂ رسالت کے بعد بھی وہ بنی ہاشم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں سینہ سپر رہا۔ مُطّلِب کو اس کی خوبصورتی کی بنا پر قمر کہا جاتا تھا۔

ہاشم بن عبد مَناف پر تمام بنی ہاشم۔ ہاشم کی ایک بیوی بنی قُضاعہ سے تھی۔ نَضلہ بن ہاشم اور شِفاء بنت ہاشم اسی بیوی سے تھے۔ ان کی دوسری بیوی بنی مازن سے تھی جس سے خالدہ بنت ہاشم اور ضَعیفہ بنت ہاشم پیدا ہوئیں۔ تیسری بیوی بنو خزاعہ سے تھی۔ جس سے اسد بن ہاشم پیدا ہوا۔ چوتھی بیوی مدینے کی ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ تھی۔ جس سے ایک بیٹی حَیّہ اور ایک بیٹا ابو صَیفی پیدا ہوا۔ پانچویں بیوی بھی مدینہ کے ایک اور خزرجی خاندان بنی النجّار میں سے تھیں۔ جن کا نام سلمیٰ بنت عَمرو تھا۔ یہی عبدالمطلب اور ان کی ایک بہن رُقیہ کی ماں تھیں۔ اس طرح پہلے ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری اہلِ مدینہ سے قائم ہو چکی تھی۔

عبدالمطلب پر تمام بنی عبدالمطلب۔ ان کی ایک بیوی فاطمہ بنت عَمرو بن عائذ بنی مخزوم میں سے تھیں جن سے حضوؐر کے والد ماجد عبداللہ، اور دو چچا ابو طالب، اور زبیر، اور پانچ پھوپھیاں بَرّہ، ام الحکیم البیضاء، عاتکہ، اُمیمہ اور اَرْویٰ پیدا ہوئیں۔ حضرت ابوؓ سلمہ اور ابو سَبرہ بَرّہ کے بیٹے تھے۔ ام الحکیم البیضاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نانی تھیں۔ اُمیمہ حضرت عبداللہ بن جَحشؓ اور ام المومنین حضرت زینبؓ کی والدہ تھیں۔ عبدالمطلب کی دوسری بیوی ہالہ بنت اُہیب بنی زُہرہ میں سے تھیں اور حضوؐر کی والدہ بی بی آمنہ کی چچا زاد بہن تھیں۔ ان سے حضوؐر کے تین چچا، حضرت حمزہؓ، مُقوِّم اور حَجْل پیدا ہوئے۔ آپؐ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بھی انہی بیوی کے بطن سے تھیں جن کے صاحبزادے حضرت زُبیرؓ بن العوّام تھے۔ اُن کے والد عوّام بن خُوَیلد حضرت خدیجہ کے بھائی تھے۔ عبدالمطلب کی تیسری بیوی نُتَیلہ بنت جناب بنی النَّمِر بن قاسط میں سے تھی جس سے حضرت عباسؓ اور ضِرار پیدا ہوئے۔ ان کی ایک اور بیوی سَمراء بنت جُندُب بنی بکر بن ہَوازِن میں سے تھی جس سے حارث بن عبدالمطلب پیدا ہوا۔ اُن کی ایک اور بیوی لُبنیٰ بنت ہاجرہ بنی خزاعہ میں سے تھی جس سے ابولہب پیدا ہوا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس نسب نامے اور قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد کے ساتھ آپ کے تعلق کی اِن تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے چند باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

اول، یہ کہ دنیا کے کسی ایک مذہب کے پیشوا، اور کسی ایک دنیوی نظام کے بانی کے متعلق بھی تاریخ میں اتنی معلومات موجود نہیں ہیں جن سے اس قدر تفصیل کے ساتھ اس کے حسب نسب اور اصل نسل کا پتہ چلتا ہو جتنی تفصیل کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ملتا ہے۔ اس لیے دنیا کے اکابر رجال میں حضورؐ کی شخصیت وہ واحد شخصیت ہے جو تاریخ کی پوری روشنی میں ہمارے سامنے آتی ہے۔

دوم یہ کہ حضورؐ کے سوا کسی بڑے مذہبی یا دنیوی رہنما کے متعلق ہمیں اتنی تفصیل کے ساتھ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اپنے معاشرے میں اس کی جڑیں کتنی گہری اور کتنی دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اہل عرب کے لیے آپ کوئی غیر معروف شخص نہیں تھے، بلکہ جنوب سے شمال تک اور مشرق سے مغرب تک پورے عرب میں پھیلے ہوئے سینکڑوں قبائل کو معلوم تھا کہ آپ کس خاندان کے فرد ہیں اور اُس خاندان کے ساتھ اُن کا اپنا نسبی رشتہ کیا ہے۔

سوم یہ کہ قریش کے جتنے خاندان مکہ اور اس کے اطراف میں آباد تھے ان میں سے کوئی خاندان ایسا نہ تھا جس سے آپ کا کسی نہ کسی طرح کی رشتہ داری کا تعلق نہ ہو۔ بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کا بیان ہے کہ:

لم یکن بطن من قریش الا وله فیه قرابة۔	قریش کے ہر خاندان سے آپ کا کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور تھا۔

قریش کا مکہ میں جمع ہونا اور کعبہ کی تولیت حاصل کرنا اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ مکہ پر جرہم کے تسلط کے بعد اولادِ اسماعیل عرب کے مختلف خطوں میں منتشر ہو گئی تھی۔ یہی کیفیت بنی خُزاعہ کی ایک شاخ غُبشان کی تولیتِ کعبہ کے دور میں بھی رہی۔ ۴۴۰ء کے لگ بھگ زمانے میں[۱] قُصَیّ بن کِلاب کے ہاتھوں یہ صورت حال ختم ہوئی اور مکہ قریش کے قبضہ میں اور خانۂ کعبہ اس کی تولیت میں آگیا۔

---

[۱] ابن کثیر کی روایت ہے کہ کعب بن لُؤَیّ (قُصَی کے پردادا) کی موت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیان ۵۶۰ برس کا فصل ہے۔ اس لحاظ سے شاید غالب بن فہر حضرت مسیح کا ہمعصر تھا۔ ابن کثیر ہی نے سُہیلی اور دوسرے آئمہ کے حوالہ سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ مَعَد بن عدنان کا زمانہ وہ تھا جب بخت نصر یروشلم کو تباہ کر کے اور یہودیوں کو قید کر کے بابل لے گیا۔ یہ ۵۸۶ق م قبل مسیح کا واقعہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ قُصَیّ کا باپ کلاب بن مُرّہ جب مرگیا تو اس کی ماں فاطمہ بنت سعد، جو اَزدِ شَنُوْأَۃ میں سے تھی، بنی قُضاعہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام کے ساتھ نکاح کر کے شام چلی گئی اور وہاں اِس دوسرے شوہر سے اس کے ہاں ایک اور لڑکا رِزاح بن ربیعہ پیدا ہوا۔ جب قصیّ جوان ہوا تو ایک مرتبہ بنی قُضاعہ میں سے ایک شخص سے اس کی لڑائی ہوگئی اور اس نے قُصَیّ کو طعنہ دیا کہ تو "ہمارے ہاں پل کر ہم ہی پر غُرّاتا ہے، اپنے لوگوں میں کیوں نہیں جاتا"؟ اس پر قُصَیّ نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے بتایا کہ تو کلاب کا بیٹا اور قبیلۂ قریش کا فرزند ہے اور تیری قوم بیت الحرام کے پاس شہر مکہ اور اس کے گرد و نواح میں رہتی ہے۔ تب قصی نے اصرار کیا کہ میں اپنے لوگوں میں جاؤں گا۔ چنانچہ جب حج کا زمانہ آیا تو وہ بنی قُضاعہ کے حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچ گیا۔ یہاں اس کا حقیقی بھائی زُہرہ، جو کلاب کی وفات کے وقت جوان تھا، پہلے سے آباد تھا۔ وہ اُسی کے پاس ٹھیر گیا اور اس نے حُلَیل بن حُبْشِیّہ خُزاعی سے (جو اُس وقت کعبہ کا متولی اور مکہ کا صاحبِ امر تھا) اس کی لڑکی حُبّیٰ کا رشتہ مانگا جسے اُس نے قُصَیّ کی شرافتِ نسبی اور شاندار شخصیت دیکھ کر بخوشی قبول کر لیا۔ اِس کے بعد کعبہ کی تولیت اور مکہ کی سرداری کس طرح اس کے قبضہ میں آئی، اس باب میں روایات مختلف ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ حُلیل نے خود وصیت کر دی تھی کہ اس کے بعد قُصَیّ ولایت کعبہ کا اہل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ حُلَیل کے مرنے کے بعد قُصَیّ نے دعویٰ کیا کہ میں دوسروں سے بڑھ کر اِس منصب کا اہل ہوں، اور جب بنی خُزاعہ اور بنی بکر نے نہ مانا تو اس نے اپنے ماں جائے بھائی رِزاح اور بنی کنانہ اور قُضاعہ کو مدد کے لیے بلالیا، اور مکہ کے اطراف میں قریش کے جو لوگ آباد تھے اُن کو بھی جمع کر لیا اور بزور خزاعہ اور بنی بکر کو مکہ سے نکال دیا۔ بعد میں جب فریقین نے یَعْمُر بن عوف کو پنچ بنایا تو اس نے فیصلہ دیا کہ خزاعہ کے مقابلہ میں قُصَیّ ولایتِ کعبہ کا زیادہ حقدار ہے کیونکہ وہ اور اُس کا خاندان قطعی اور صریح طور پر آلِ اسمٰعیل میں سے ہے۔

اس طرح جب قُصَیّ نے کعبہ کی تولیت اور مکہ کی سرداری حاصل کر لی تو اس نے فِہر کی ساری اولاد کو (جو قریش کہلاتی تھی) عرب کے مختلف حصوں سے مکہ میں جمع کر لیا اور مکہ کو ان کے درمیان بانٹ کر شہر کے ایک ایک حصہ میں ایک ایک خاندان کو آباد کر دیا۔ اِسی بنا پر قریش اُسے مُجَمِّع (جمع کرنے والا) کہتے ہیں۔ چنانچہ حُذافہ بن غانم عَدَوِی کہتا ہے:

ابوکم قُصَیٌّ کان یُدعیٰ مجمّعاً ۔۔۔ بہ جمّع اللہ القبائلَ من فہر

تمہارا باپ قُصَیّ مُجمّع کہا جاتا تھا۔ ۔۔۔ اسی کے ذریعہ سے اللہ نے فِہر کے قبائل کو جمع کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مکہ کی شہری ریاست اور حج کا انتظام قُصَیّ کی انہی خدمات کی بنا پر اُس کو تمام قبائلِ قریش نے اپنا سردار مان لیا۔ قریش کے کسی گھرانے میں جو لڑکی بھی جوان ہوتی اُسے قمیص قُصَیّ کے گھر ہی میں پہنائی جاتی۔ جو نکاح بھی ہوتا قُصی کے گھر میں ہوتا۔ کوئی اہم معاملہ پیش آتا یا کسی قبیلے سے جنگ کی نوبت آتی تو اِسی گھر میں سب گھرانوں کے سردار مشورے کے لیے جمع ہوتے۔ اِسی وجہ سے یہ گھر دار النَّدوہ کہلاتا تھا۔ جنگ کے موقع پر قُصی ہی کی اولاد میں سے کسی کو علمبردار بنایا جاتا۔ اِس منصب کا نام اللّواء تھا۔ حج کے سارے انتظامات بھی قُصَی کے ہاتھ میں تھے۔ ان میں سے ایک کام السِّقایہ تھا، یعنی حاجیوں کو پانی پلانا۔ دوسرا الرِّفادہ تھا، یعنی حاجیوں کو کھانا کھلانے کا بندوبست جس کے لیے قریش کے سارے گھرانے چندہ اکٹھا کر کے قُصَیّ کو دیتے تھے اور وہ حج سے واپسی تک تمام اُن حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام کرتا تھا جو اپنے کھانے کا خود انتظام نہ کر سکتے۔ تیسرا الحجابہ تھا، یعنی خانہ کعبہ کی کلید برداری۔

قُصَیّ اپنی زندگی میں مکہ کی ریاست کا بلا شرکتِ غیرے مالک رہا۔ جب اس کا آخر وقت آیا تو اس نے یہ دیکھ کر کہ اس کا بیٹا عبدِ مَناف پہلے ہی عرب میں ناموری حاصل کر چکا ہے اور اس کا شرف تسلیم کیا جانے لگا ہے، مکہ کی ریاست کے تمام مناصب (نَدوَہ، حِجابہ، سِقایہ، رِفادہ اور لِواء) اپنے دوسرے بیٹے عبدالدّار کو دے دیے۔ قُصَیّ کی وفات کے بعد ایک مدت تک اس کے فیصلے کا احترام کیا گیا لیکن پھر کسی وقت اس کی اولاد میں اِن مَناصب کی تقسیم پر جھگڑا ہو گیا، جس میں قریش کے کچھ گھرانے بنی عبدالدّار کے ساتھ اور کچھ بنی عبدِ مَناف کے ساتھ ہو گئے۔ قریب تھا کہ یہ جھگڑا طول کھینچ جاتا، لیکن خانہ جنگی تک نوبت پہنچنے سے پہلے آپس میں تصفیہ ہو گیا جس کے تحت حِجابہ، لِواء اور نَدوہ بنی عبدالدّار کے پاس رہے، اور سِقایہ اور رِفادہ بنی عبدِمناف کو دے دیے گئے۔ آلِ عبدِ مَناف نے آپس کے مشورے سے یہ دونوں منصب ہاشم کو دے دیے۔

ہاشم ہاشم کا اصل نام عَمرو تھا۔ "ہاشِم" کا لقب اسے اُس وقت دیا گیا جب مکہ میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا، اور اس نے شام سے غلہ لا کر روٹیاں پکوائیں اور بہت سے اونٹ کٹوا کر سالن تیار کرایا اور روٹیوں کو اس میں چُور کر لوگوں کو اس کا ثرید (مالیدہ) کھلایا۔ ہَشْم کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں۔ روٹیاں توڑ کر سالن میں مالیدہ بنوانے کی وجہ سے اس کو ہاشم کہا جانے لگا۔ رِفادہ اور سِقایہ کا منصب ہاتھ میں آنے کے بعد ہاشم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب حج کا زمانہ آتا تو وہ قریش کے لوگوں کو جمع کر کے کہتا "یہ اللہ کے پڑوسی اور اُس کے گھر کے لوگ اِس زمانے میں زیارت کے لیے تمہارے پاس آتے ہیں۔ یہ اللہ کے مہمان ہیں، اور سب سے زیادہ ضیافت کے حق دار اللہ ہی کے مہمان ہوتے ہیں۔ اللہ نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تم کو یہ خصوصیت بخشی ہے اور اسی کی بدولت تمہیں عزت دی ہے اور تمہاری ایسی حفاظت کی ہے جیسی کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کی نہیں کرتا۔ لہٰذا اس کے مہمانوں اور زائروں کا اِکرام کرو جو گرد آلود اور پراگندہ حال ہر دور دراز علاقہ سے دبلی اونٹنیوں پر، جو سوکھ کر کانٹا ہو گئی ہیں، آ رہے ہیں۔ اُن کے کپڑے مَیلے ہو رہے ہیں۔ اُن میں جوئیں پڑ گئی ہیں۔ اُن کا زادِ راہ ختم ہو گیا ہے۔ لہٰذا ان کو کھانا کھلاؤ اور پانی پلاؤ" اس پر قریش کے سارے خاندانوں سے چندہ آتا اور خود ہاشم زرِ کثیر اپنے پاس سے خرچ کرتا۔ پھر چمڑے کے بڑے بڑے حوضوں میں مکہ کے سارے کنوؤں سے (کیونکہ زمزم کو تو جُرہُم بند کر گئے تھے اور اس کا نشان تک باقی نہ تھا) پانی لا لا کر ان میں حاجیوں کے لیے بھرا جاتا۔ روٹیاں اور سالن پکا کر ان کا ثرید بنایا جاتا۔ روٹی اور دودھ کا ملیدا بھی بنایا جاتا۔ ستو اور کھجوریں وغیرہ فراہم کی جاتیں اور حاجیوں کے منیٰ سے رخصت ہونے تک اُن کی ضیافت کا سلسلہ جاری رہتا۔ اِسی چیز نے ہاشم کو عرب کے تمام قبائل میں مقبول بنا دیا تھا کیونکہ ان سب کو ہر سال حج میں اُس کی اِس فیاضانہ خدمت سے استفادے کا موقع ملتا تھا۔ (اضافہ از مولف)

قریش کی تجارت اور ان کی ترقی

قریش کی وہ تجارت جس کا ذکر سورۂ قریش میں رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيۡفِ (گرمی اور جاڑے کے سفروں) کے نام سے اللہ کے ایک فضل کے طور پر کیا گیا ہے، اس کا خیال بھی سب سے پہلے ہاشم ہی کے ذہن میں پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے تینوں بھائیوں، عبدِ شمس، مُطّلب اور نوفل کو ساتھ ملا کر یہ منصوبہ بنایا کہ اُس بین الاقوامی تجارت میں حصہ لیا جائے جو عرب کے راستے بلادِ مشرق اور شام و مصر کے درمیان ہوتی تھی، اور ساتھ ساتھ اہلِ عرب کی ضروریات کا سامان بھی خرید کر لایا جائے تاکہ راستے کے قبائل اُن سے مال خریدیں، اور مکے کی منڈی میں اندرونِ ملک کے تُجّار خریداری کے لیے آنے لگیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ایران کی ساسانی حکومت اُس بین الاقوامی تجارت پر اپنا تسلط قائم کر چکی تھی جو شمالی علاقوں اور خلیج فارس کے راستوں سے رومی سلطنت اور بلادِ مشرق کے درمیان ہوتی تھی۔ اِسی وجہ سے جنوبی عرب سے بحرِ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو تجارتی راستہ شام و مصر کی طرف جاتا تھا اُس کا کاروبار بہت چمک اٹھا تھا۔ عرب کے دوسرے تجارتی قافلوں کی بہ نسبت قریش کو یہ سہولت حاصل تھی کہ راستے کے تمام قبائل بیت اللہ کے خُدّام ہونے کی حیثیت سے ان کا احترام کرتے تھے۔ حج کے زمانے میں نہایت فیاضی کے ساتھ حاجیوں کی جو خدمت قریش کے لوگ کرتے تھے اس کی بنا پر سب اُن کے احسان مند تھے۔ اُنہیں اِس امر کا کوئی خطرہ نہ تھا کہ راستے میں کہیں ان کے قافلوں پر ڈاکہ مارا جائے گا۔ راستے کے قبائل اُن سے راہگزر کے وہ بھاری ٹیکس بھی وصول نہ کر سکتے تھے جو دوسرے قافلوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے طلب کیا جاتا تھا۔ ہاشم نے انہی تمام پہلوؤں کو دیکھ کر تجارت کی اسکیم بنائی اور اپنی اس سکیم میں اپنے تینوں بھائیوں کو شامل کیا۔ شام کے غسّانی بادشاہ سے ہاشم نے، حبش کے بادشاہ سے عبدِ شمس نے، یمنی امراء سے مُطّلِب نے اور عراق و فارس کی حکومتوں سے نوفل نے تجارتی مراعات حاصل کیں[1]۔ اس طرح ان لوگوں کی تجارت بڑی تیزی سے ترقی کرتی چلی گئی۔ اسی بنا پر یہ چاروں بھائی مُتَجِّرِین (تجارت پیشہ) کے نام سے مشہور ہو گئے، اور جو روابط انہوں نے گرد و پیش کے قبائل اور ریاستوں سے قائم کیے تھے اُن کی بنا پر اِن کو اَصْحَابُ الْاِیْلَاف بھی کہا جاتا تھا جس کے لفظی معنی "الفت پیدا کرنے والوں" کے ہیں۔

اس کاروبار کی وجہ سے قریش کے لوگوں کو شام، مصر، عراق، ایران، یمن، اور حبش کے ممالک سے تعلقات کے وہ مواقع حاصل ہوئے، اور مختلف ملکوں کی ثقافت و تہذیب سے براہِ راست سابقہ پیش آنے کے باعث اُن کا معیارِ دانش و بینش اتنا بلند ہوتا چلا گیا کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ اُن کی ٹکر کا نہ رہا۔ مال و دولت کے اعتبار سے بھی وہ عرب میں سب پر فائق ہو گئے اور مکہ جزیرۃ العرب کا سب سے زیادہ اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ ان بین الاقوامی تعلقات کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ عراق سے یہ لوگ وہ رسم الخط لے کر آئے جو بعد میں قرآن مجید لکھنے کے لیے استعمال ہوا۔ عرب کے کسی دوسرے قبیلے میں اتنے پڑھے لکھے لوگ نہ تھے جتنے قریش میں تھے۔ انہی وجوہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "قُرَیْشٌ قَادَۃُ النَّاسِ" "قریش لوگوں کے لیڈر ہیں" (مُسندِ احمد، مرویاتِ عَمرو بن العاص)۔ اور حضرت علیؓ کی روایت بَیہقی میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

کان ھٰذا الامر فی حِمْیَرَ فَنَزَعَہ اللّٰہ منھم و جعلہ فی قریش۔	پہلے عرب کی سرداری قبیلۂ حِمیَر والوں کو حاصل تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے اُن سے سلب کر کے قریش کو دے دی۔

قریش اسی طرح ترقی پر ترقی کرتے چلے جا رہے تھے کہ مکہ پر ابرہہ کی چڑھائی کا واقعہ پیش آ گیا۔ اگر اُس وقت ابرہہ اِس شہرِ مقدس کو فتح کرنے اور کعبے کو ڈھا دینے میں کامیاب ہو جاتا تو عرب میں قریش ہی کی نہیں

[1] طبری کا بیان ہے کہ ہاشم نے شام اور غسّان اور روم کے بادشاہوں سے، عبدِ شمس نے نجاشی سے، نوفل نے شاہانِ فارس سے، اور مُطّلِب نے شاہانِ حِمیَر سے تجارتی مراعات اور سفر میں حفاظت کے پروانے حاصل کیے (حاشیہ از مولف)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خود کعبہ کی دھاک بھی ختم ہو جاتی۔ زمانۂ جاہلیت کے عرب کا یہ عقیدہ متزلزل ہو جاتا کہ یہ گھر واقعی بیت اللہ ہے۔ قریش کو اس گھر کے خادم ہونے کی حیثیت سے جو احترام پورے ملک میں حاصل تھا وہ یک لخت ختم ہو جاتا۔ مکے تک حبشیوں کی پیش قدمی کے بعد رومی سلطنت آگے بڑھ کر شام اور مکہ کے درمیان کا تجارتی راستہ بھی اپنے قبضے میں لے لیتی۔ اور قریش اُس سے زیادہ خستہ حالی میں مبتلا ہو جاتے جس میں وہ قُصَیّ بن کلاب سے پہلے مبتلا تھے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ پرندوں کے لشکروں نے سنگریزے مار مار کر ابرہہ کی لائی ہوئی ۶۰ ہزار حبشی فوج کو تباہ و برباد کر دیا، اور مکے سے یمن تک سارے راستے میں جگہ جگہ اس تباہ شدہ فوج کے آدمی گر گر کر مرتے چلے گئے تو کعبہ کے بیتُ اللہ ہونے پر تمام اہلِ عرب کا ایمان پہلے سے بدرجہا زیادہ مضبوط ہو گیا اور اس کے ساتھ قریش کی دھاک بھی ملک بھر میں پہلے سے زیادہ قائم ہو گئی۔ اب عربوں کو یقین ہو گیا کہ ان لوگوں پر اللہ کا فضلِ خاص ہے۔ وہ بے کھٹکے عرب کے ہر حصے میں جاتے اور اپنے تجارتی قافلے لے کر ہر علاقے سے گزرتے۔ کسی کی یہ جرأت نہ تھی کہ اُن کو چھیڑتا۔ اُنہیں چھیڑنا تو درکنار، اُن کی امان میں کوئی غیر قریشی بھی ہوتا تو اس سے کوئی تعرّض نہ کیا جاتا۔

(تفہیم القرآن۔ جلد ششم۔ دیباچہ سورۂ قریش)

عبدالمطلب بن ہاشم

ہاشم اپنے تجارتی سفروں کے سلسلے میں اکثر شام جاتے ہوئے مدینے ٹھیرا کرتا تھا، اور وہاں قبیلہ خزرج کی ایک عورت سے وہ پہلے ہی شادی کر چکا تھا جس سے اس کے دو بچے حیّہ (لڑکی) اور ابو صیفی (لڑکا) پیدا ہوئے تھے۔ ایک اور سفر میں اس نے خزرج ہی کے ایک خاندان بنی نجّار کی ایک عورت سَلمٰی بنت عَمرو بن زید کو بازار میں ایک اونچے مقام پر بیٹھے دیکھا جو حکم دیتی جا رہی تھی کہ اس کے لیے کیا خریدا جائے اور اس کی طرف سے کیا بیچا جائے۔ ہاشم کو اس کے حسن و جمال اور اس کی شان و شوکت اور فراست و ذہانت نے بہت متاثر کیا اور اس سے شادی کی درخواست کی۔ وہ کسی سے اِس شرط کے بغیر شادی کے لیے تیار نہ تھی کہ وہ اپنی مرضی کی مختار ہوگی اور کسی شخص کو پسند نہ کرے گی تو علیحدگی اختیار کر لے گی۔ ہاشم نے اس کی شرط مان لی اور اس نے ہاشم کی خاندانی شرافت اور ذاتی وجاہت کو دیکھ کر اس کا پیغام قبول کر لیا۔ مدینے ہی میں دونوں کی شادی ہوئی اور یہیں اس خاتون کے بطن سے حضورؐ کے دادا عبدالمطلب تقریباً ۴۹۵ء میں پیدا ہوئے۔ اسی سفر میں ہاشم جب غزّہ پہنچا تو بیمار ہو گیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔ اِس طرح عبدالمطلب جوانی کی عمر کے قریب پہنچنے تک اپنی ماں کے پاس مدینے ہی میں رہے۔ ہاشم نے مرتے وقت وصیت کی کہ اُس کے بعد اُس کا بھائی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مُطّلب اُس کی جگہ سِقایہ اور رِفادہ کا متولی ہوگا اور وہی اس کے اہل و عیال اور اس کی جائداد کی دیکھ بھال کرے گا۔ اُس وقت سے بنی ہاشم اور بنی المطّلب یک جان و دو قالب ہوگئے اور آخر تک رہے۔ اس کے برعکس بنی عبدِ شمس (جن میں سے بنی اُمیہ تھے) اور بنی نوفل ایک دوسرے کے حلیف بنے اور بعد تک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں جب قریش کے سب قبیلوں نے آپ کا مقاطعہ کیا اور شعبِ ابی طالب میں آپ کو محصور کر لیا تو بنی ہاشم کے ساتھ بنی المطّلب بھی اِس محصوری میں آپ کے ساتھ شامل ہوئے، بخلاف اس کے بنی نوفل اور بنی عبد شمس نے مخالفین کا ساتھ دیا۔

عبدالمطلب (جن کا اصل نام شَیْبَہ تھا اور اپنی خوبیوں کے باعث شَیْبَۃُ الحَمْدِ بھی کہلاتے تھے) مدینہ میں پرورش پا رہے تھے کہ ایک مرتبہ ثابت بن مُنذِر (جو حضرت حسانؓ بن ثابت کا باپ تھا) مکے گیا اور مُطّلب سے ملا جس کے ساتھ اس کا پہلے سے میل جول تھا۔ دورانِ گفتگو میں اس نے کہا کہ تم کہیں اپنے بھتیجے شیبہ کو دیکھو تو تمہارا جی خوش ہو جائے۔ بڑا شاندار، پُر ہیبت اور خوبرو جوان اٹھا ہے۔ یہ حالات سن کر مُطّلب بے تاب ہوگیا اور جا کر بھتیجے کو اپنے ساتھ اونٹ پر بٹھا کر لے آیا۔ قریش کے لوگوں نے اس نوجوان لڑکے کو مُطّلب کے ساتھ آتے دیکھا تو کہنے لگے یہ عبدالمطلب ہے۔ مطلب نے لوگوں کو ڈانٹا بھی کہ یہ میرے بھائی ہاشم کا لڑکا شَیبہ ہے، میرا غلام نہیں ہے، مگر "عبدالمطلب" کا نام کچھ ایسا مشہور ہوا کہ اصلی نام اس کے نیچے دب کر رہ گیا۔ کچھ مدت کے بعد مطلب ایک تجارتی سفر کے سلسلے میں یمن گیا اور وہیں مر گیا۔ عبدالمطلب اُس کے جانشین ہوئے اور سِقایہ و رِفادہ کے دونوں منصب اُن کو مل گئے۔ ابن سعد اُن کی تعریف میں کہتا ہے کہ "وہ قریش میں سب سے زیادہ خوبصورت، سب سے زیادہ تنومند، سب سے زیادہ سنجیدہ و بردبار، سب سے زیادہ سخی، اور سب سے زیادہ اُن برائیوں سے دور تھے جو مردوں کو بگاڑنے والی ہوتی ہیں"۔ ابن ہشام کا قول ہے کہ "ان کو اپنی قوم میں عزت و شرف کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جس تک ان کے آباء میں سے کوئی نہ پہنچا تھا۔ ان کی قوم ان سے محبت کرتی تھی اور لوگوں میں وہ بڑی منزلت رکھتے تھے"۔

طبری نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کے چچا نوفل نے ہاشم کے چھوڑے ہوئے ترکہ میں سے ایک حصہ غصب کر لیا تھا۔ عبدالمطلب نے پہلے اپنی ددھیال والوں سے مدد مانگی، مگر انھوں نے چچا اور بھتیجے کے جھگڑے میں دخل دینے سے انکار کر دیا۔ پھر عبدالمطلب نے اپنی ننھیال (مدینہ کے بنی عدی بن نجّار) کو مدد کے لیے بلایا۔ اس پر ان کا ماموں ۸۰ آدمی لے کر مکہ پہنچ گیا اور اس نے زبردستی نوفل سے اپنے بھانجے کا حق دلوایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے بعد نوفل بھی بنی ہاشم کے خلاف بنی عبد شمس سے مل گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت تک بنی نوفل اُسی جتھے میں شامل رہے جو بنی ہاشم کا مخالف اور بنی عبد شمس کا ساتھی تھا۔ عبد المطلب نے جب یہ دیکھا کہ بنی نوفل ان کے مخالف جتھے سے جا ملے ہیں تو انہوں نے خزاعہ کے سرداروں سے بات چیت کی اور ان کے ساتھ مُحالفت (اتحاد اور امدادِ باہمی) کا معاہدہ کر لیا اور کعبہ میں جا کر انہوں نے باقاعدہ معاہدہ کی تحریر لکھی۔ ابن سعد کا بیان اس سے ذرا مختلف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بنی خزاعہ نے عبد المطلب سے خود درخواست کر کے باہمی دوستی و معاونت کا معاہدہ کیا تھا۔ اس معاہدہ میں بنی المطلب اور بنی ہاشم، دونوں خاندان شریک ہوئے اور بنی عبد شمس اور بنی نوفل اس سے الگ رہے۔ یہ معاہدہ دار الندوہ میں لکھا گیا اور کعبہ میں آویزاں کر دیا گیا۔ اس کے مطابق عبد المطلب نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ بنی خُزاعہ کے ساتھ ہمیشہ دوستی نباہنا۔ یہ اسی کا اثر تھا کہ صلح حُدَیبیہ کے موقع پر جب شرائطِ معاہدہ میں سے ایک شرط یہ طے ہوئی کہ قبائلِ عرب میں سے جو چاہے فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ شریک ہو جائے تو خُزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔

عبد المطلب کا زمزم کو از سرِ نو برآمد کرنا یہ فخر بھی جناب عبد المطلب ہی کو حاصل ہوا کہ زمزم، جسے جُرہُم بند کر کے اس کا نشان تک مٹا گئے تھے، ان کے ہاتھوں از سرِ نو برآمد ہوا۔ محمد بن اسحاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ خواب میں جناب عبد المطلب کو زمزم کا مقام بتایا گیا اور انہیں ہدایت کی گئی کہ اس جگہ کو کھود کر یہ مقدس کنواں برآمد کر لیں۔ اس وقت اُن کا کوئی بیٹا حارِث کے سوا نہ تھا۔ اسی کو لے کر وہ کُدال پھاوڑا لیے ہوئے وہاں پہنچے اور کھدائی شروع کر دی۔ جب پانی نمودار ہوا تو عبد المطلب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سے قریش کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ زمزم نکل آیا ہے۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے اور کہنے لگے کہ "اے عبد المطلب یہ تو ہمارے باپ اسماعیل کا کنواں ہے اور اس میں ہمارا بھی حق ہے، ہمیں اس میں اپنے ساتھ شریک کر دو"۔ انہوں نے جواب دیا "میں یہ نہیں کر سکتا۔ یہ خاص طور پر مجھے دیا گیا ہے، تم میں سے کسی کو نہیں دیا گیا"۔ وہ جھگڑے پر آمادہ ہو گئے۔ عبد المطلب نے کہا "اچھا تو کسی کو حَکَم بنا لو"۔ انہوں نے بنی سعد بن ہُذَیم کی کاہنہ کا نام تجویز کیا جو شام کے بالائی علاقوں میں رہتی تھی۔ عبد المطلب نے یہ بات مان لی اور اپنے چند ساتھیوں کو لے کر وہ بنی امیہ اور قبائلِ قریش میں سے ہر قبیلے کے کچھ لوگوں کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک بے آب و گیاہ بیابان آیا جہاں عبد المطلب اور ان کے ساتھیوں کا پانی ختم ہو گیا اور انہیں یقین ہو گیا کہ ہم پیاس سے مر جائیں گے۔ انہوں نے اپنے ہم سفر دوسرے اہلِ قریش سے پانی مانگا۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انکار کر دیا کہ یہاں پانی کا دُور دُور کہیں نام و نشان نہیں ہے، ہم اگر اپنے پانی میں تمہیں شریک کریں تو ہم بھی اسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائیں گے جس کا تمہیں خطرہ ہے۔ آخر کار عبدالمطلب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابھی ہمارے ہاتھ پاؤں میں کچھ جان ہے۔ آؤ، ہم میں سے ہر ایک اپنے لیے ایک گڑھا کھود لے اور جو جو مرتا جائے اس کو اسی گڑھے میں دفن کیا جاتا رہے۔ چنانچہ ہر ایک نے گڑھا کھود لیا اور سب موت کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ پھر عبدالمطلب نے ساتھیوں سے کہا کہ ہم نے اپنے آپ کو یونہی موت کے حوالے کر دیا۔ آؤ ہمت کر کے چلیں، شاید کہیں ہمیں پانی مل جائے۔ یہ کہہ کر سب کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹ کو اٹھایا اور اس کا پاؤں زمین پر پڑا تو یکایک اس کے نیچے سے میٹھے پانی کا ایک چشمہ نکل آیا۔ اس پر عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور اتر کر خوب پانی پیا اور اپنے مشکیزے پانی سے بھر لیے۔ پھر عبدالمطلب نے اُن دوسرے اہلِ قریش کو، جنھوں نے پانی دینے سے انکار کیا تھا، پکارا اور کہا آؤ، اللہ نے ہمیں پانی دیدیا ہے، تم بھی پیو اور پانی بھر لو۔ چنانچہ وہ آئے، سب پانی سے سیراب ہوئے اور پھر کہا کہ "اے عبدالمطلب، خدا ہی نے ہمارے خلاف تمہارے حق میں فیصلہ دے دیا ہے۔ خدا کی قسم اب ہم زمزم کے معاملہ میں تم سے جھگڑا نہ کریں گے۔ جس خدا نے تمہیں اس بیابان میں پانی دیا ہے اسی خدا نے زمزم بھی تمہیں عطا کیا ہے۔ اب اپنے پانی کی طرف بخیر و خوبی واپس چلو۔" اس طرح سب اُس کاہنہ کے پاس جانے کے بجائے مکّے واپس ہو گئے۔

یہ سقایہ کا منصب، جس میں اب سب سے اہم زمزم کی سقایت تھی، زندگی بھر عبدالمطلب کے پاس رہا۔ ان کے بعد یہ ان کے بیٹے ابوطالب کو ملا۔ مگر ابوطالب اپنی فیاضی کے باعث اپنی مالی استطاعت سے بہت بڑھ کر حاجیوں کو پانی، شربت، دودھ وغیرہ پلانے میں خرچ کرنے لگے، جس کی وجہ سے انہیں کئی مرتبہ اپنے بھائی عباس سے قرض لینا پڑا اور اسے ادا نہ کر سکے۔ آخر کار حضرت عباس نے شرط لگائی کہ اب اگر آپ ادا نہ کر سکیں گے تو سقایت کا منصب آپ کو میرے لیے چھوڑ دینا ہو گا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ سقایت حضرت عباس کو مل گئی۔ یہ زمانۂ قبل اسلام کی بات ہے۔ زمانۂ اسلام میں بھی یہ منصب بنی عباس ہی میں رہا۔

عبداللہ بن عبدالمطلب محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ زمزم کی کُھدائی کے وقت جب عبدالمطّلب نے دیکھا کہ ان کے ساتھ صرف ان کا ایک بیٹا ہے اور قریش سارے گھیر کر آ گئے ہیں، تو انہوں نے نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے عطا کرے جو میری حمایت کے لیے کھڑے ہو سکیں، تو ان میں سے ایک کو کعبہ کے پاس اللہ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔ اللہ نے ان کی یہ دعا پوری کی اور دس بیٹے ان کو دیدیے اور وہ جوانی کی عمر کو پہنچ گئے۔ آخر کار ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روز عبدالمطلب نے سب کو جمع کیا اور اپنی نذر کا اُن سے ذکر کیا۔ سب نے کہا اللہ سے جو نذر آپ نے مانی ہے اسے پورا کیجیے۔ اس پر عبدالمطلب سب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں ہُبل نامی بت کے پاس گئے جہاں فال نکالی جاتی تھی، اور فال اِس بات کے لیے نکلوائی کہ ان دس میں سے کس بیٹے کو قربان کریں۔ اس میں نام جناب عبداللہ کا نکلا جو عبدالمطلب کے سب سے خوبصورت اور باپ کو سب سے زیادہ پیارے بیٹے تھے۔ عبدالمطلب بلاتکلف عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اور چھری لے کر اساف و نائلہ کی طرف لے چلے تاکہ وہاں ان کو ذبح کر دیں۔ قریش کے لوگ یہ دیکھ کر اپنی مجلسوں سے دوڑ پڑے اور کہنے لگے "عبدالمطلب، یہ کیا کرتے ہو، اگر تم نے ایسا کیا تو آئے دن کوئی نہ کوئی اپنے بیٹے کو لاکر ذبح کرنے لگے گا۔ چلو، حجاز کی فلاں عرافہ (سیانی) کے پاس چلو اور وہ جو کہے وہی کرو، ممکن ہے کہ وہ اِس مشکل کا کوئی حل بتا دے۔" اس تجویز کے مطابق یہ لوگ مدینے پہنچے اور وہاں معلوم ہوا کہ وہ عرافہ خیبر میں ہے۔ وہاں جاکر اس سے ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا تمہارے ہاں آدمی کی دیت کیا ہوتی ہے؟ لوگوں نے کہا ۱۰ اونٹ۔ وہ بولی واپس جاؤ اور اب فال اِس بات پر نکالو کہ عبداللہ کو قربان کیا جائے یا دس اونٹوں کو؟ اگر پھر لڑکے کے نام کی فال نکلے تو دس اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر فال نکالو۔ اس طرح دس دس اونٹ بڑھا بڑھا کر فال نکالتے چلے جاؤ۔ جب اونٹوں پر فال نکل آئے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمہارا رب بیٹے کے بجائے اتنے اونٹوں کی قربانی پر راضی ہے۔ عرافہ کی یہ بات قبول کرکے سب مکے پلٹے اور فال نکالنی شروع کی۔ ۱۰۔ ۲۰۔ ۳۰ حتی کہ ۹۰ تک فال عبداللہ ہی کے نام کی نکلتی رہی۔ آخر ۱۰۰ اونٹ پر پہنچ کر فال اونٹوں پر نکلی۔ چنانچہ ۱۰۰ اونٹ ذبح کیے گئے اور لوگوں کو اذنِ عام دے دیا گیا کہ جو جتنا گوشت چاہے لے لے۔

اس طرح ایک مرتبہ پھر آلِ ابراہیمؑ میں قربانی کا وہ واقعہ دُہرایا گیا جو مکہ میں اِس مبارک خاندان کی آبادی کے آغاز کے موقع پر پیش آیا تھا۔ اگرچہ روح اور معنی کے اعتبار سے دونوں واقعات میں بڑا فرق ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے کارخانے کی حکمتیں عجیب ہیں۔ پہلے اِس خاندان کے اُس فردِ اول کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی تھی جسے عرب میں دینِ اسلام کی دعوت کا آغاز کرنا تھا۔ اب اُس آخری نبی، صلی اللہ علیہ وسلم، کے والد کی قربانی کسی اور طرح مانگی گئی جسے تمام عالمِ انسانی میں اُسی دعوت کو پھیلانا تھا۔ پہلی قربانی کا فدیہ ایک مینڈھا تھا، اور دوسری کا فدیہ ۱۰۰ اونٹ۔

جناب عبداللہ کی شادی | جناب عبداللہ ۲۵ سال کے تھے جب ان کے والد نے ان کی شادی بنی زہرہ بن کلاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ایک خاتون آمنہ بنت وہب بن عبد مناف سے کر دی، جو اپنی قوم کی بہترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھیں۔ چند مہینے کی ازدواجی زندگی گزارنے کے بعد، جب کہ بی بی آمنہ حاملہ تھیں، وہ ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ فلسطین کے شہر غزہ گئے۔ وہاں سے پلٹ کر جب مدینہ پہنچے تو بیمار ہو گئے۔ ساتھیوں سے کہا کہ تم مکہ واپس جاؤ اور میں اپنی دادی کے خاندان بنی عدی بن نجار میں ٹھیرتا ہوں۔ ایک مہینہ وہاں ٹھیرے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا اور دار النابغہ میں دفن کر دیے گئے۔ ساتھیوں نے مکہ پہنچ کر جب عبدالمطلب کو ان کی بیماری کا حال سنایا تو انہوں نے فوراً اپنے بڑے بیٹے حارث کو مدینے بھیجا۔ مگر اس کے پہنچنے سے پہلے جناب عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔

یہ صحیح ترین روایت ہے جسے عموماً اہل علم نے تسلیم کیا ہے۔ ورنہ کسی روایت میں یہ ہے کہ ان کا انتقال اُس وقت ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۸ مہینے کے تھے۔ کسی میں سات مہینے، اور کسی میں دو مہینے بھی بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن معتبر اور مسلّم یہی ہے کہ حضورؐ ابھی بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے والد ماجد کا انتقال ہو گیا۔ اسی چیز کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ "اے نبی، کیا ہم نے تم کو یتیم نہیں پایا اور پھر ٹھکانا فراہم کیا؟"

(اضافہ از مؤلف)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسلام میں سزائے ارتداد

(از عبد الحمید صدیقی)

حال ہی میں پاکستان کے سابق چیف جسٹس جناب ایس اے رحمان صاحب کی ایک کتاب (PUNISHMENT OF APOSTASY IN ISLAM) یعنی "اسلام میں سزائے ارتداد" منظرِ عام پر آئی ہے۔ کتاب کو ادارہ ثقافت اسلامیہ نے شائع کیا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب کے تعارف میں بیان کیا ہے کہ پاکستان میں جو غیر مسلم آباد ہیں وہ نہ ذمی ہیں نہ مستامن بلکہ ان کی حیثیت معاہدین کی سی ہے جنہیں بانی پاکستان قائدِ اعظم محمد علیؒ جناح نے اس امر کی ضمانت دی تھی کہ مسلم اکثریت کی طرح بالکل مساوی سطح پر ان کے بنیادی حقوق کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ آگے چل کر موصوف رقم طراز ہیں "کہ پاکستان جو ملی جلی آبادی کا ملک ہے اِس میں باہمی ہم آہنگی کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آزادئ ضمیر، اظہار رائے، اپنے مذہب کی اشاعت و تبلیغ اور اپنے اپنے مذہبی رسوم و رواج کا تحفظ دنیائے جدید میں اخلاق و قانون کے مطابق، ہر قوم کا مسلّم و مقدس حق ہے۔ مرتد کا معاملہ خصوصاً جب وہ اکثریتی آبادی سے متعلق ہو۔ باہمی تعلقات میں ایک اچھے اور با اصول مذہب کے لیے، آزمائش کی حیثیت رکھتا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری فقہی کتب میں قرآن و سنتِ معتبرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کا تجزیاتی مطالعہ نہیں کیا گیا اور فقہائے متقدمین کے دماغوں میں محض ارتداد اور ریاست سے بغاوت و غداری پر مشتمل ارتداد کے مابین کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ بس چپکے سے یہ فرض کر لیا گیا ہے کہ اسلام سے روگردانی کرنے والا ہر شخص سزائے موت کا مستوجب ہے جیسا کہ اسلام کا کوئی باغی اور محارب۔ اجتماعی و سیاسی میدان میں یہ نظریہ بڑے دور رس ردِ عمل کا حامل ہو سکتا ہے۔ اور ان ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں اس کے نتیجے میں جوابی قانون سازی کی جا سکتی ہے اور بالآخر قانون کے دائرے میں لڑی جانے والی یہ جنگ اسلامی تبلیغی سرگرمیوں کے خاتمہ کا سبب بن سکتی ہے۔" ص۲-۳

یہ اور اسی طرح کے دوسرے احساسات نے فاضل مصنف کو اس موضوع پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا ہے اور آپ نے پاکستان کی نازک۔ کے عین اُس لمحہ میں جب کہ دستور زیرِ تشکیل تھا قوم کے دستور ساز ادارے کو یہ

© rasailojaraid.com